مولانا ارشاد الحق لائل پور

احسن الکلام

ایک نظر

نماز میں مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف نیا نہیں نہ یقین نے اس مسئلہ پر بیسیوں کتابیں لکھی ہیں اور آئندہ بھی یہ سلسلہ ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ بلکہ علمائے احناف جو فاتحہ نہ پڑھنے کے قائل ہیں میں یہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے۔ "ائمہ ثلاثہ" میں امام محمدؒ کا قول مجوزین کی فہرست میں آتا ہے جیسے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے لیکن کتاب الآثار" اور "موطا امام محمدؒ" میں چونکہ ان کا قول اس کے برعکس ہے جس کی بنا پر علامہ ابن الہمام اور علامہ شامیؒ نے اس قول کو شاذ قرار دیا ہے لیکن اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ امام محمدؒ سے سے سری نمازوں میں مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کے جواز کا قول منقول نہیں۔ جبکہ ان کی مشہور کتاب "المبسوط" میں یہ قول مذکور ہے جس کا ذکر مولانا حبیب اللہ قندھاری رحمہ اللہ نے اپنے مکتوبات میں کیا ہے۔ آپ مولانا سید محمد اسماعیل شہیدؒ کے معاصرین اور سید احمدؒ کے فاضل خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ موصوف سید شہید کے ہمراہ اسی سلسلہ کی ایک روئداد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"دریاد دارم کہ روزے در کابل خدمت مولوی اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ فقیر را در نماز عصر پیش کرد و در عقب فاتحہ خواند۔ طالب علمے کہ در پہلوئے آں بود بے شنید ہمیں کہ از نماز فارغ شد انکار و زبان درازے آغاز نہاد و آں عالم ربانی را طعنہائے بے جا مے داد۔ چوں

شاگرد فقیر بود۔ وے را اعتناب نمودم کہ خدمت مولوی را از سخن ناحق بدنے آمد و از ایشان باید پرسید چو پرسیدہ شد۔ جواب گفت کہ امام محمد در مبطو منفذی مر فاتحہ را تجویز کردہ چنانچہ خود دیدہ ام وچوں بہ مذہب شافعی فرض است جنند احتیاط خواندہ شے شود۔ ازیں جواب تشفی معترض حاصل نہ شود خدمت مولوی گفت ایں معترض یا محقق است یا مقلد۔ اگر محقق است من استدلال بکتاب و سنت مے کنم وے جواب گوید واگر مقلد کتاب ہائے وطن خود است من نیز تقلید علمائے وطن خود مے کنم۔ چراکہ تمامی ایشاں حتی الحنفیہ فتوے لبقراءت فاتحہ در عقب امام دادہ اند۔ آں معترض اگر چہ ملزم شد منفصل نہ شد" (مجموعہ رسائل مولانا قندھاری")

یہ رسائل ابھی تک غیر مطبوع ہیں اور ان کا قلمی نسخہ حکیم عبدالرحمٰن صاحب نبیرۂ حضرت مولانا عبداللہ معروف بہ غلام رسول قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کے پاس محفوظ ہے اور اسی کا دوسرا قلمی نسخہ حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی مرحوم ومغفور کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے جس کا ذکر سیدی حضرت مولانا ابوبکر غزنوی مدظلہ العالی نے راقم سے کیا تھا۔ میں نے یہ عبارت اکمل البیان ص۸۳ کے حاشیہ سے نقل کی ہے جسے واجب الاحترام بزرگ مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف دامت برکاتہم العالیہ نے نقل فرمایا ہے۔

ناظرین کی سہولت کے پیش نظر ہم مولانا موصوف ہی کے قلم سے اس کا ترجمہ نقل کیے دیتے ہیں:۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب مولوی محمد اسماعیل نے کابل کے اندر عصر کی نماز میں مجھے نماز پڑھانے کے لیے آگے کر دیا۔ آپ نے میرے پیچھے نماز ادا کی۔ جماعت میں میرا ایک شاگرد بھی آپ کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ جناب مولوی صاحب نے خلف الامام سورۂ فاتحہ پڑھی۔ جوں ہی کہ نماز سے فارغ ہوئے اس طالب علم نے مولوی صاحب کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ میں

نے اس (یعنی اپنے شاگرد) کو ڈانٹا کہ تمہاری یہ حرکت اچھی نہیں۔ خود مولوی صاحب سے دریافت کرلو۔ چنانچہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ امام محمد نے مبسوط میں مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا تجویز کیا ہے جیسا کہ میں نے خود دیکھا ہے اور چونکہ امام شافعی کے نزدیک قرارت فاتحہ نماز میں فرض ہے اس لیے بربنائے احتیاط پڑھی جاتی ہے۔ اس جواب سے معترض کی تشفی نہ ہوئی۔ جناب مولوی صاحب نے فرمایا۔ یہ معترض محقق ہے یا مقلد؟ اگر محقق ہے تو میں کتاب و سنت سے یہ مسئلہ ثابت کرتا ہوں۔ وہ اس کا جواب دے۔ لیکن اگر یہ اپنے وطن کے فقہاء کا مقلد ہے تو میں اپنے وطن کے علماء کا پیروکار ہوں۔ کیونکہ ہمارے ہاں (دہلی وغیرہ) کے سب علماء حتی کہ حنفیہ بھی قرارت فاتحہ خلف الامام کا فتویٰ دیتے ہیں اس پر معترض لاجواب ہو کر رہ گیا۔

خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیے جس سے درج ذیل امور کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ امام محمد کا قول کہ مقتدی کے لیے سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے ان کی کتاب مبسوط میں مذکور ہے۔

۲۔ سید اسماعیل شہید خود فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے قائل تھے۔

۳۔ علمائے دہلی عموماً خلف الامام فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔

اس کے علاوہ ملا جیون نے تفسیر میں صوفیائے کرام اور مشائخ حنفیہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے کہ مقتدی کو فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ ان کے الفاظ ہیں :۔

فان رایت الطائفة الصوفیه والمشائخین الحنفیة تراهم یستحسنون قراءة الفاتحة للموتم (تفسیر احمدی)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فریقین عقیدت مند ہیں اور دونوں مکتبہ فکر (اہل حدیث واحناف) ان کی اصلاحی تحریک کے ترجمان ہیں یا کم از کم مدعی ہیں کہ وہ اس تحریک سے وابستہ ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس خاندان کے عقیدتمند

ان کے فرمودات کو بھی پیش نظر رکھیں چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

وان کان ما موما وجب علیه الانصات والاستماع فان جہر الامام لم یقرأ الا عند اسکاته وان خافت فله الخیار فان قرأ فلیقرأ بفاتحة الکتاب قراءة لا یشوش علی الامام وهذا اولی الاقوال عندی وبه یجمع بین احادیث الباب

یعنی مقتدی کو چاہیئے کہ وہ امام کے پیچھے خاموشی سے سنے۔ اگر امام آواز سے پڑھے تو مقتدی سکتات میں پڑھے اور اگر امام آہستہ پڑھ رہا ہو تو مقتدی جس طرح چاہے پڑھے لیکن اس طرح پڑھے کہ امام کی قرات میں تشویش اور پریشانی نہ ہو۔ میرے نزدیک یہ قول سب سے بہتر ہے اور اسی باب کی مختلف روایات کو اس انداز سے تطبیق دی جا سکتی ہے۔

شاہ صاحبؒ کے اس ارشاد پر فریقین اور بالخصوص علمائے دیوبند کو (جو اپنے کو شاہ صاحبؒ کی تحریک سے وابستہ سمجھتے ہیں) سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔ لیکن کیا کیا جائے جب انداز فکر یہ ہو کہ مسائل فقہ حنفیہ کو مدلل کرنے کے لیے قرآن و سنت سے بہر صورت دلائل کشید کرنے ہیں خواہ استدلال کا پلو کتنا ہی کمزور ہو اور اس کے لیے کیسی ہی تاویلات کا سہارا لینا پڑے تو درین صورت بیل منڈھے کب اور کیسے چڑھے گی۔

مولانا شبلی نعمانی سے سبھی اہل علم واقف ہیں۔ کسی دور میں ان کا مشہور قول تھا کہ "آدمی عیسائی ہو سکتا ہے غیر مقلد نہیں ہو سکتا" (الا بعاذ باللہ) یہ بزرگ فاتحہ خلف الامام کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے "ظل الغمام فی مسئلہ القراءۃ خلف الامام" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۲۹۳ھ میں کانپور کے مشہور مطبع نظامی سے طبع ہوئی۔ جس میں انہوں نے حسب طبع خاصا بے راہروی کا مظاہرہ فرمایا جس کی بنا پر بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ انہی کے ہم پیالہ و ہم نوالہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس کے جواب میں یا بطور محاکمہ "امام الکلام فی ما یتعلق بالقراءۃ

خلف الامام" کے نام سے ۱۲۹۴ھ میں ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے شاہ ولی اللہؒ ہی کے قول کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"جہری میں امام کے سکتات ہیں اور سری میں عام طور پر مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے" (امام الکلام ص۱۵۶)

جس پر مولانا شبلی مرحوم خاموش نہ رہ سکے تو اس کی تردید میں "اسکات المقتدی علی انصات المقتدی" کے نام سے ۲۴ صفحات کا ایک کتابچہ لکھ مارا جو ۱۲۹۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے طبع ہوا۔ یہ رسالہ جب مولانا لکھنوی اور ان کے تلامذہ تک پہنچا تو اس کے انہوں نے متعدد جواب دیے۔ جن میں پہلا جوابی رسالہ مولانا نور محمد ملتانی نے بنام تذکرۃ المنتہی فی رد اسکات المقتدی" لکھا۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ "الافادات فی رد الاسکات" اور دوسرا التنبہات علی ہفوات الاسکات" اور ایک چوتھا رسالہ "الایماضات الی اغلاط مصنف الاسکات" مولفہ حافظ شعیب حنفی کابلی باجوری کا ہے۔ یہ مجموعہ ۱۲۹۸ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ میں طبع ہو چکا ہے اور مولانا لکھنوی مرحوم نے گو مولانا شبلی کے رد میں کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی تاہم امام الکلام کو جب دوبارہ چھپوانے کی نوبت آئی تو "غیث الغمام" کے نام سے اس پر ایک حاشیہ کا اضافہ کیا جس میں مولانا شبلی مرحوم کے اعتراضات کا جواب دیا۔

اس داستان سرائی کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ مسئلہ خود علمائے احناف کے نزدیک مختلف فیہ رہا ہے۔ منصف مزاج حضرات نے شاہ ولی اللہ کی رائے کو صحیح تسلیم کیا ہے اور اس کی تائید و حمایت میں اپنے ہی ہم مشرب بھائیوں سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔ علمائے احناف اور علمائے اہل حدیث نے اپنے اپنے مسلک کو مدلل کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً بلیسیوں کتابیں لکھی ہیں اور "مجتہد نما" مقلدین نے اس بحث میں اپنے اجتہادی جوہر دکھائے ہیں۔ بحث و تمحیص اور صحیح تنقید سے بلا شبہ علم ترقی پذیر ہوتا ہے اور کئی مخفی گوشے اجاگر ہوتے ہیں بشرطیکہ سنجیدگی

سے لکھا جائے۔ فکر و نظر کی پوری کاوش صرف کی جائے اور حق کی تلاش و جستجو کا داعیہ ہو۔ لیکن اگر یہی بات ٹھان لی جائے کہ اپنے نقطہ نظر کو بہر صورت صحیح باور کرانا ہے تو ایسی صورت میں جو بھیانک نتائج سامنے آئیں گے، تاریخ و حدیث کا طالب علم اس سے بخوبی واقف ہے۔ قرآنی آیات میں تحریف، احادیث میں تغیر و تبدل اور بالآخر وضع حدیث کی کرشمہ سنجیاں اسی ناہموار فکر کا نتیجہ ہے اور جن بزرگوں نے اس کردار میں اپنے دامن کو سیاہ کیا ہے۔ ان گندھے چیتھڑوں کو ہلانا بے محل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب بزرگوں کی خطائیں معاف فرمائے۔ آمین

اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ زیر نظر کتاب "احسن الکلام" بھی دراصل اسی ذہن کی آئینہ دار ہے جس کے مؤلف مولانا سرفراز خان صاحب صفدر خطیب جامع مسجد گکھڑ ابھی بقید حیات ہیں اور یہ سطور لکھ کر دراصل ہم دینی فریضہ سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ الدین النصیحۃ

یوں تو مولانا موصوف نے اپنے حلقہ اثر میں اس کی خوب داد لی اور خراج تحسین وصول کیا۔ لیکن کس قدر تعجب کی بات ہے کہ خطیب صاحب نے ادب و تعظیم کا جو وعظ جا بجا فرمایا ہے۔ خود ان کا عمل اس پر نہیں۔ علمائے اہل حدیث کی شان میں طنز و تعریض کے فقرے لکھنا۔ ان کے علم و فضل کی تحقیر کرنا ادب ہے تو گستاخی نامعلوم کس بلا کا نام ہے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بات ان کے معاصرین تک محدود رہتی تو "المعاصرۃ اصل المنافرۃ" کے طور پر ہم انہیں مجبور سمجھتے لیکن معلوم یہ ہوتا کہ وہ بیچارے بلڈ پریشر کے مریض ہیں۔ امام بخاری، امام دار قطنی، امام بیہقی اور حافظ ابن حجر ایسے اکابر محدثین اور اساطین فن حدیث کا مجتہدانہ "جائزہ" لینے بیٹھ گئے ؎

بت کریں آرزو خدائی کی
کیا شان ہے تیری کبریائی کی۔

حالانکہ خود کتاب اکثر و بیشتر تلبیس و تدلیس کا مرقع تضاد کا پلندا اور اصولی و فنی لغزشوں کا مجموعہ ہے راوی حدیث کی روایت مؤید ہے تو وہ ثقہ اور اگر مخالف ہے تو ضعیف و ناقابل اعتبار بلکہ اس سلسلہ میں متروک ایسے ضعیف راویوں کو صحیح بخاری و مسلم کا راوی قرار دینے میں بھی کسی قسم کا عار محسوس نہیں کیا۔ زیر نظر مضمون میں ہم انہی تلبیسات سے پردہ اٹھائیں گے جو درج ذیل عنوانات پر مشتمل ہوگا۔

۱۔ تضدادات کے چند نمونے

۲۔ رجال و اسناد میں تحریف و تلبیس

۳۔ اصول حدیث سے ناواقفیت

۴۔ بعض تحقیقی مباحث پر منظر

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ——!

---

(۱) تضدادات کے چند نمونے

۱۔ حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ کو بحوالہ فتح القدیر نقل کرنے کے بعد اس کی صحت بیان کرتے ہوئے حاشیہ میں فرماتے ہیں:۔

"شریک کو علامہ ذہبی الحافظ الصادق اور احد الائمہ لکھتے ہیں۔ نیز لکھتے ہیں کہ وہ احد الائمۃ الاعلام حسن الحدیث، امام فقیہ اور کثیر الحدیث تھے وحدیثہ من اقسام الحسن علامہ ابن سعد ان کو ثقہ مامون اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں" (احسن الکلام ج ۱ ص ۲۵)

لیکن دوسری طرف جب حضرت عبداللہ بن مسعود کا اثر خلف الامام فاتحہ کے جواز میں نقل کرتے ہیں تو اس پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اس روایت کا مرکزی راوی شریک ہے امام بیہقی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اکثر محدثین اس سے احتجاج نہیں کرتے اور دوسرے مقام

پر لکھتے ہیں کہ یحییٰ القطان اس کی اشد تضعیف کرتے تھے۔ عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث قابل قبول نہیں۔ جوزجانی اس کو سیئ الحفظ اور مضطرب الحدیث کہتے ہیں۔ ابراہیم بن سعید کہتے ہیں کہ شریک نے چار سو احادیث میں غلطی کی ہے۔ علامہ جزائری لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث مردود اور غیر مقبول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس کو کثیر الخطاء لکھتے ہیں۔ احسن الکلام ج۲ ص۱۲۵

ناظرین کرام! اندازہ فرمائیں ایک راوی کی روایت جب مسلک کے موافق تھی تو خطیب صاحب کس قدر بلیغانہ انداز میں وکیل صفائی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شریک کی روایت درجہ حسن سے ساقط نہیں لیکن اس کی روایت جب مخالف نظر آئی تو تمام برائیاں ایک ایک کر کے سامنے آگئیں لیکن اس سے کہیں تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اگر اول الذکر مقام میں ان جیسے کلمات کے ساتھ اس کی یہ "تضعیف" بھی کر دیتے تو بھی شریک کا ضعف وہاں ان کے لیے مضر نہ تھا جبکہ سفیان ثوری اس کا متابع موجود ہے لیکن جب دکھانا ہی اس کو ثقہ تھا تو ایسا کیوں کرتے، صفائی کا حق جو ادا کرنا تھا اور وہ بجز اس کے کس طرح ادا ہو سکتا تھا۔

۲۔ امام شعبہ کے متعلق ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"ان کے متعلق یہ ضابطہ ہے کہ لا یحمل عن مشائخہم الا صحیح حدیثہم او کما قالوا کہ وہ صرف صحیح حدیث ہی اپنے مشائخ سے نقل کرتے ہیں۔" (احسن ج۱ ص۱۸۰)

اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ ضابطہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے چنانچہ فتح الباری میں "باب وضوء الرجل مع امرأته" کے تحت ایک حدیث بواسطہ سماک عن عکرمہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وقد اعلہ قوم بسماک بن حرب عن عکرمۃ لانہ کان یقبل التلقین لکن قد رواہ عنہ شعبۃ وھو لا یحمل عن مشائخہ الا

صحیح حدیثہم (فتح الباری ج ۱ ص۲۴)

اسی طرح موصوف تلخیص الحبیر ص۱۹۲ میں حدیث فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین بواسطہ سماک عن عکرمہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

وہو من صحیح حدیث سماک لم یدلس فیہ ولم یلقن ایضا فانہ من روایۃ شعبۃ عنہ وکان شعبۃ لا یاخذ من شیوخہ ما دلسوا فیہ ولا ما لقنوا

ان دونوں اقتباسات کا مقصد صرف یہ ہے کہ مولانا صفدر صاحب نے امام شعبہ کے متعلق جو ضابطہ نقل فرمایا ہے وہ عام ہے۔ ابو اسحاق، قتادہ اور الاعمش کی ہی تدلیس کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ انہوں نے احسن الکلام ج ۲ ص ۱۲۳ میں غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے اور اپنا اور قارئین کا وقت ضائع کیا ہے اس تفصیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت علی کے اثر کی طرف نظر دوڑائیے جسے صفدر صاحب نے ج ۲ ص ۱۲۲ پر سفیان بن حسین عن الزہری سے نقل کیا ہے۔ مولانا صفدر صاحب کو اعتراض ہے کہ سفیان، زہری سے روایت کرنے میں متکلم فیہ ہے۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ صورت حال اس سے مختلف ہے۔ شیخ احمد الشاکر فرماتے ہیں:۔

سفیان بن حسین الواسطی ثقۃ تکلموا فی روایتہ عن الزہری وانہ یخطی فی بعضہا فالظاہر صحتہا حتی یثبت خطؤہ وما من ثقۃ الا ویخطئ ممن مقل ومن مکثر (تعلیق احمد ص ۸ ج ۱)

ثانیاً سفیان کا شاگرد اس روایت میں امام شعبہ ہے اور ان کے متعلق صفدر صاحب ضابطہ بیان کر چکے ہیں کہ وہو لا یحمل عن مشائخہ الا صحیح حدیثہم لیکن یہاں مصلحۃً اس سے گلو خلاصی کر رہے ہیں۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی روایت میں شعبہ قتادہ سے بھی روایت کریں اور وہ بروایت مولانا صفدر صاحب کے مدعی و مقصد کے مخالف ہو

تو دریں صورت قتادہ کی تدلیس پر بڑے مزے لے لے کر اعتراض کرتے ہیں چنانچہ موصوف اپنی ایک دوسری مایہ ناز تصنیف میں "مختار کل" کے مسئلہ پر معترضین کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک روایت مسند احمد ص ۲۵، ۳۶۳ ج ۵ سے لائے ہیں پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اس حدیث کی سند میں بعض ایسے رواۃ بھی ہیں جو مدلس ہیں اور روایت بھی غیر صحیحین کی اور پیش کی جا رہی ہے۔ عقیدہ کے اثبات کے لیے لہٰذا مدلس کی معنعن روایت ایسے معاملہ میں قابل التفات نہیں ہو سکتی"

(دل کا سرور ص ۱۰۴)

اب ذرا ایک نظر اس روایت کی سند پر ڈال لیجئے، بات بآسانی سمجھی جا سکے گی۔

۱۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن قتادۃ عن نضر بن عاصم الخ (مسند ص ۲۵ ج ۵)

۲۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا وکیع حدثنا شعبۃ عن قتادۃ عن نضر بن عاصم اللیثی الخ (ص ۳۶۳ ج ۵)

ناظرین کرام! یہ ہیں وہ دونوں اسناد جس کے متعلق خطیب صاحب ببانگ دہل اعلان فرما رہے ہیں کہ اس سند میں بعض رواۃ مدلس ہیں"۔ حالانکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں قتادہ مدلس ہے اور اس سے روایت کرنے والے شعبہ ہیں لیکن بایں ہمہ قتادہ پھر بھی مدلس۔ پھر مزید تعجب بالائے تعجب یہ کہ احسن الکلام ج ۲ ص ۱۲۳ — دل کا سرور ص ۱۰۴ میں قتادہ مدلس۔ لیکن احسن الکلام ص ۲۰۱ ج ۱ میں پورے چار صفحات اس بات پر سیاہ کر ڈالے ہیں کہ قتادہ مدلس ہی نہیں اور نہ اس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہے۔

"قتادہ تدلیس کرتے ہیں یا نہیں، اس تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ البتہ مولانا صفدر صاحب ضرور تدلیس سے کام لیتے ہیں جس کا کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہی ایک دو مواضع ایسے نہیں جہاں انہوں نے یہ روش اختیار کی ہے، بلکہ متعدد مواضع ہمارے زیر نظر ہیں۔ استیعاب مقصود نہیں، نمونۃً ان کی عادتِ مبارکہ کی نشاں دہی ہے۔

۲۔ رجال و اسناد میں تحریف و تلبیس

اب ذرا رجال حدیث جیسی پُرخطر وادی میں ان کی ٹامکٹوئیاں ملاحظہ فرمائیں لیکن اس سے قبل انہی کی ایک عبارت کو پیشِ نظر رکھیں جو اس سلسلہ کی آئندہ مباحث میں معاون ثابت ہوگی اور بات سمجھنا بھی آسان رہے گی۔ ویسے بھی ضروری ہے کہ جس کسی کے کلام پر تنقید مقصود ہو اس کے مسلمات کو زیرِ نظر رکھا جائے اور اسی کوتاہی پر مولانا صفدر صاحب نے اپنے بعض معترضین کو خوب ملایاں سنائی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ جرح و تعدیل میں ان کے اسلوب سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ ناظرین کے لیے نتیجہ پہنچنا آسان ہو سکے۔ فرماتے ہیں:

"ہم نے بعض مقامات پر ائمہ جرح و تعدیل اور جمہور محدثین کرام کے مسلمہ اور طے شدہ اصول اور ضوابط کے عین مطابق ثقہ راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال تو نقل کر دیے ہیں لیکن اگر بعض ائمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے تو نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں کسی امام کا کوئی توثیقی جملہ ملا ہے تو اس کو بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا کیوں کہ فن رجال سے ادنیٰ واقفیت والے حضرات بھی بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ کوئی بھی ایسا ثقہ نہیں جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف جس کو کسی ایک نے بھی ثقہ نہ کہا ہو۔ کبریت احمر کے مترادف ہے۔ صحابہ کرامؓ کا رتبہ کس سے مخفی ہے اور الصحابۃ کلھم عدول کے جملہ سے کون اہل علم ناواقف ہے مگر خوارج اور روافض کا نظریہ بھی ان کے بارے میں پوشیدہ نہیں

بایں ہمہ ہم نے توثیق و تضعیف میں جمہور ائمہ جرح و تعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔" (احسن الکلام ص۴)

ساری عبارت کا مفہوم واضح ہے کہ جہاں مولانا صفدر صاحب جرح نقل کرنے پر اکتفا فرمائیں گے۔ وہاں یہ بات باور کی جائے گی کہ جمہور نے اسے مجروح قرار دیا ہے اور توثیق کا اعتبار نہیں اور جہاں توثیق و تعدیل کے الفاظ نقل کریں گے وہ راوی جمہور کے نزدیک بھی ثقہ ہوگا اور اس پر جرح مجروح ہوگی۔ ان ابتدائی گزارشات کے بعد اصل موضوع کی طرف آیئے۔

چنانچہ موصوف حصہ ثانی میں حضرت عبداللہ بن مغفل کے اثر پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"سند میں یحیی بن ابی اسحاق ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں نکارت ہوتی ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں۔ اس کی حدیث میں ضعف ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں صدوق ہیں لیکن کبھی حدیث میں خطا بھی کر جاتے ہیں۔"

مولانا موصوف کا مکمل بیان ہم نے حرف بحرف نقل کر دیا ہے۔ ان کی توثیق میں بجز حافظ ابن حجرؒ کے الفاظ کے کوئی جملہ نظر نہیں آتا جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ مولانا کے "اجتہاد" میں یہ راوی جمہور محدثین کے اصول و ضوابط کے مطابق مجروح ہے لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مقدمہ کتاب میں جرح و تعدیل کے نقل کرنے میں جو وعدہ فرمایا گیا تھا۔ وہ یک مشت بھلا بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ابن ابی اسحاق کو امام ابن معین، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام ابن سعد نے ثقہ کہا ہے، امام ابو حاتم کا قول ہے لا بأس بہ۔ ان کے علاوہ امام احمد فرماتے ہیں فی حدیثہ نکارۃ اور امام ابن معین فرماتے ہیں اس کی بعض روایات میں ضعف ہے۔

(تہذیب۔ ج ۱۱۔ ص ۱۷۸)

ناظرین انصاف فرمائیں کیا جمہور ائمہ جرح و تعدیل نے اسے ضعیف کہا ہے کہ

صفدر صاحب صرف تجریحی الفاظ نقل کرنے پر اکتفاء فرما رہے ہیں۔ امام ابن معین کا ان کی بعض روایات۔ کو ضعیف کہنا ان کی توثیق کے منافی نہیں اور "فیہ حدیثہ نکارۃ" کے الفاظ جرح مفسر میں شمار نہیں ہوتے بالخصوص جب کہ یہ الفاظ امام احمد سے منقول ہوں۔ فن روایت کی باریکیوں سے جو حضرات واقف ہیں۔ ان سے یہ امور مخفی نہیں مولانا صفدر صاحب اگر ان سے بے خبر ہیں تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر کا یہ فرمانا کہ "صدوق ربما اخطا" تو ان میں متوخر الذکر الفاظ اس کے ضعف پر دال نہیں جبکہ بسا اوقات غلطی کر جانا قابل جرح نہیں۔ خود مولانا صفدر صاحب نے ص ۲۴۹ ج ا پر اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یحییٰ بن ابی اسحاق صحاح ستہ کا راوی ہے۔ قاضی مقبول احمد صاحب نے عبدالرحمن المحاربی کے متعلق ائمہ جارحین کے اقوال نقل کر دیئے تو صفدر صاحب پنجہ جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے اور ناصحانہ انداز میں فرمانے لگے۔ قاضی صاحب مؤلف احسن الکلام سے بے شک اختلاف رکھیے مگر صحاح ستہ کے ثقہ راویوں کو تو انتہائی درجہ کا ضعیف قرار نہ دیں۔ حاشیہ ص ۹۵ ج ا ہم انہی الفاظ میں عرض کرتے ہیں کہ خطیب صاحب یحییٰ بن ابی اسحاق صحاح کے راوی ہیں انہیں ضعیف قرار دیں مسلک کی حمیت میں یہ کردار مذموم ہے محمود نہیں اور نہ یہ اہل علم کی شان ہے۔

اسی سلسلہ میں العلاء بن عبدالرحمن پر بھی ایک نظر دوڑایئے، لکھتے ہیں امام ابن معین فرماتے تھے "لیس حدیثہ بحجۃ" ابن عدی ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں، ابوحاتم کا بیان ہے کہ ان کی بعض حدیثیں منکر ہیں۔ ابوزرعہ کا بیان ہے کہ وہ کوئی زیادہ قوی نہ تھے۔ امام ابوداؤد کا بیان ہے کہ ان کی صیام شعبان کی حدیث ان کی مناکیر میں شامل ہے۔ محدث خلیلی کا بیان ہے کہ ان کی ایسی روایتیں بھی ہیں جن میں ان کا کوئی متابع نہیں۔ (ص ۲۴۰، ۲۴۱، ج ا)

قبل اس سے کہ ہم العلاء کی توثیق کے متعلق کچھ عرض کریں۔ اس بات کی وضاحت

ضروری خیال کرتے ہیں کہ اسی مقام پر مولانا صفدر صاحب اپنی "مجتہدانہ بصیرت" کی بنا پر یہ "اکتشاف" فرمایا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث من صلی خلف الامام لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج الحدیث میں "الا صلوٰۃ خلف الامام" کی زیادتی "العلاء" سے غلطی یا خطا کی وجہ سے چھوٹ گئی ہے اور یہ مختصر روایت ان کی منکرات میں سے ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:۔

"یعنی بر انصاف یہی بات ہے کہ اس زیادت کے ترک کرنے میں غلطی علاء بن عبدالرحمٰن کی ہے اور یہ روایت ان کی منکر روایتوں میں شمار ہوتی ہے" (احسن الکلام ص ۲۴۱ ج ۱)

یہ روایت کیسی ہے اور کسی محدث نے اس پر منکر کا حکم لگایا ہے؟ مولانا صفدر صاحب اس کی قطعاً نشان دہی نہیں کر سکتے وَلَوْ كَانَ لَبَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا یہ روایت کیسی ہے اور کن کن کتابوں میں آئی ہے۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی زبان سے سنیے فرماتے ہیں:۔

رواہ مالک فی الموطا سفیان بن عیینۃ فی تفسیرہ وابو عبید فی فضائل القرآن وابن ابی شیبۃ واحمد والبخاری ومسلم وابو داود والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابن جریر وابن الانباری وابن حبان والدارقطنی والبیہقی فی سننہ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج قال ابو السائب فقلت یا ابا ہریرۃ انی احیانا اکون وراء الامام فغمز ذراعی وقال اقرأ بہا یا فارسی فی نفسک الحدیث (احکام القنطرۃ ص ۲۲۲ در مجموعۃ الرسائل الثمانیۃ)

پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہی وہ روایت ہے جس کے متعلق علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ میں بسم اللہ کے سورت فاتحہ کا جزء نہ ہونے پر استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن عبدالبر سے نقل فرماتے ہیں۔

حدیث العلاء هذا قاطع المتنازعين و هو نص لا يحتمل التاويل ولا اعلم حديثا فى سقوط البسملة ابين فيه (تعجب الراية ج ۱ ص ۳۳۹)

یعنی العلاء کی یہ روایت فریقین کے نزاع کو ختم کرنے والی ہے اور یہ ایسی نص ہے کہ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں اور اس روایت سے واضح اور کوئی روایت نہیں جس سے اس پر استدلال کیا جائے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو نہیں

ناظرین کرام! ان امور کو زیر نظر رکھتے ہوئے ایک بار پھر صفدر صاحب کی مذکورۃ الصدر جرح اور حدیث پر "منکر" کا حکم فرمائیں، حالانکہ یہ روایت صحیح مسلم اور مؤطا کی ہے اور خود صفدر صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ مؤطا کی مسند روایات پر کلام نہیں کیا جا سکتا۔ (احسن الکلام ج ۱، ص ۲۲۵)

بلکہ صحت کے لحاظ سے تو بعض نے مؤطا کو صحیح بخاری و مسلم سے فوقیت دی ہے لیکن صفدر صاحب ہیں کہ اس کی روایت کو محض مذہبی حمیت کی بنا پر منکر کہہ رہے ہیں

رب ذوالجلال کورانہ تقلید کی بندھنوں سے محفوظ رکھے۔ اس روایت کو صفدر صاحب نے اگر اپنے مسلک کے مخالف سمجھتے ہوئے منکر اور اس کے راوی العلاء کو ضعیف بتلایا ہے تو ان کے چھوٹے بھائی شوافع بھی اس میدان میں خاموش نہیں رہے وہ چونکہ بسم اللہ کو سورت فاتحہ کا جز تسلیم کرتے ہیں اور یہ روایت بداہتہً ان کے مسلک کے مخالف تھی تو انہوں نے بھی اپنی ناراضگی کا اظہار اسی بیچارے العلاء پر فرمایا اور امام ابن معین وغیرہ محدثین کی جرح نقل کر دی۔

ع ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

مولانا عبدالحی لکھنوی شوافع کے جواب میں فرماتے ہیں:-

قلنا هذا جهل و فرط تعصب يتركون الحديث الصحيح لكونه غير موافق لمذهبهم و قد روا لا عن العلاء الائمة الثقات كما لك

و سفیان و ابن جریج و عبد العزیز و الولید بن کثیر و محمد بن اسحٰق و غیرھم وھو ثقۃ صدوق (احکام القنطرۃ ص ۲۲۷)

اسی طرح علامہ زیلعی معترض کا قول کہ العلاء ضعیف ہے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

ھذا القائل من جملۃ الجھل و فرط التعصب علی ان ترک الحدیث الصحیح و ضعفہ لکونہ غیر موافق لمذھبہ و قال لا یعجبا لکونہ فی مسلم مع انہ قد رواہ عن العلاء الائمۃ الاثبات کمالک و سفیان بن عیینۃ و ابن جریج و شعبۃ الخ" (نصب الرایۃ ص ۴۳۳ ج ۱)

یعنی العلاء کو ضعیف بتلانا اور اسی صحیح حدیث کو ضعیف کہنا سراسر جہالت اور انتہائی درجہ کا تعصب ہے اور صحیح حدیث کو محض اس لیے چھوڑا جا رہا ہے کہ یہ اپنے مذہب کے مخالف ہے اور اس روایت کو العلاء سے ائمہ ثقات مثلاً مالک، سفیان، ابن جریج، ابن اسحٰق وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ان دونوں اقتباسات کے بعد اب ہم اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ العلاء کی توثیق پر مزید کچھ لکھیں۔ ان دونوں حنفی بزرگوں کے اس فیصلہ کے مطابق ہم یہاں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے اور یہ کہنے میں بھی یقیناً ہمیں معذور سمجھا جائے گا کہ مولانا صفدر صاحب نے جو صحیح مسلم اور موطا وغیرہ کی صحیح روایت کو منکر اور العلاء کو ضعیف کہا ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی علم دشمنی اور فرط تعصب کا ثبوت دیا ہے اور یہ محض اس لیے کہ یہ روایت یہاں ان کے مدعی و مقصد کے مخالف و معارض ہے ورنہ یہ روایت صحیح ہے اور العلاء فی نفسہٖ ثقہ اور صدوق ہیں۔ علامہ زیلعی نے اسی بحث کے ضمن میں العلاء کی توثیق پر مختصر نفیس بحث کی ہے اور آخر میں بڑے بیچے تلے الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

و مجرد الکلام فی الرجل لا یسقط حدیثہ ولو اعتبرنا ذلک لذھب معظم السنۃ اذ لم یسلم من کلام الناس الا من عصمہ اللہ (نصب الرایۃ ج ۱، ص ۴۳۱)

اور یہی وہ اصول ہے جس کے اہتمام کا صفدر صاحب نے خود وعدہ فرمایا تھا جیسا کہ ہم نقل کر آئے ہیں۔ لیکن برا ہو مذہبی تعصب کا جس نے موصوف کو اپنے اس اصول پر برقرار نہ رہنے دیا۔

ہمیں ان کی سادگی پر دکھ ہوتا ہے اور ان کے حافظہ پر افسوس بھی جب وہ اس میدان کے شہسوار ہی نہیں تو انہیں چاہیئے تھا کہ محض اپنے حلقہ اثر کی داد پر خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوتے اور یوں رسوائی سے بچ جاتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصحاب ثقاریر نے ان سے دنا نہیں جفا کی ہے

صحاح ستہ بالخصوص صحیح مسلم اور مؤطا کے رجال پر اس قدر جرأت سے اعتراضات اور ان کی روایت کو اتنی بے باکی سے منکر کہنا انہی کو زیب دے سکتا ہے۔ اور ہمارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ "الجرح علی البخاری" اور "الکلام المحکم" ایسی کتابیں اس گھر کی طرف سے پہلے شائع ہو چکی ہیں اور ہمارے بعض معاصر بزرگ اس سلسلہ میں مزید جو"خدمات" سرانجام دے رہے ہیں، اس سے بھی ہم واقف ہیں، اس ترکش سے یہ تیر نئے نہیں پرانے ہیں اور نہ ہمیں زیادہ اس پر تعجب ہوتا ہے بلکہ جس مکتب فکر کا یہ اصول ہو کہ کل ایات او حدیث یخالف قول اصحابنا فهی ماؤل او منسوخ (کہ ہر حدیث یا آیت جو ہمارے امام صاحب کے فرمان کے مخالف ہوگی اس کی یا تو تاویل کی جائے گی یا اسے منسوخ کہا جائے گا) تو پھر بھلا اس سے خیر کی توقع کب رکھی جاسکتی ہے؟

لگتے ہاتھوں اسی سلسلہ کی ایک اور تحقیق بھی ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود کا اثر مؤطا محمد کے طریق سے نقل کرنے کے بعد اس کی سند پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"محمد بن ابان بن صالح القرشی "صحیح بخاری" کے راوی ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور مسلم ان کو ثقہ کہتے ہیں" احسن الکلام ج ۱ ص ۳۰۲

لیکن موصوف نے یہاں بھی حسب عادت ہاتھ کی صفائی کا کرتب دکھلایا ہے اور

تحریف و تلبیس سے کام نکالنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت یہ محمد بن ابان بن صالح قرشی صحیح بخاری کا راوی نہیں۔ صحیح بخاری کا راوی محمد بن ابان دوسرا ہے۔ امام بخاری نے ص ۸۴۳ اور ص ۹۷۰ ج ا پر صرف دو ہی جگہ اس سے بواسطہ محمد بن جعفر غندر سے روایت لی ہے۔ صحاح ستہ میں جس محمد بن ابان سے روایت لی گئی ہے، دو ہیں :- محمد بن[1] ابان عمران السلمی ویقال القرشی ویقال الواسطی - محمد بن[2] ابان بن وزیر البلخی المستملی - صحیح بخاری کے ان دونوں مقامات پر ان دونوں سے روایت لینے کا احتمال ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

لم نجد للواسطی روایۃ عن غندر بخلاف البلخی (فتح الباری ج۲ ص۱۵۱)

یہی وجہ ہے کہ ان مقامات پر مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ نے محمد بن ابان کی تعیین البلخی المستملی سے کی ہے۔ لہذا صحیح بخاری کا راوی جب محمد بن ابان وزیر البلخی ہی ٹھہرا جو قطعاً نہ تو ابن صالح ہے اور نہ القرشی تو دریں صورت محمد بن ابان صالح القرشی کو صحیح بخاری کا راوی قرار دینے میں کیا اشتباہ واقع ہو گیا تھا؟

الغرض محمد بن ابان بن صالح القرشی صحیح بخاری کا قطعاً راوی نہیں بلکہ یہ "الجعفی الکوفی" ہے جو امام محمد کا استاد ہے اور موطا میں اس سے انہوں نے بکثرت روایتیں لی ہیں جمہور محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھتے ہیں:

ھو ممن ضعفہ جمع من النقاد (تعلیق الممجد ص۲)

امام نسائی نے اسے لیس بثقۃ کہا ہے اور وہ یہ الفاظ متروک کے معنے میں استعمال کرتے ہیں۔ افسوس مولانا موصوف کو موطا میں یہ روایت تو نظر آ گئی لیکن التعلیق الممجد میں راوی حدیث کی طرف نظر دوڑانے کی زحمت نہ فرما سکے۔ بھلا وہ یہ زحمت کیوں فرماتے، روایت کو صحیح قرار دینا پیش نظر تھا اور بجز آنکھیں بند کر لینے کے بیچارے کر بھی کیا سکتے تھے۔ اے کاش الشیخ الحدیث صاحب نے اپنے بلند منصب کی کچھ لاج ہی رکھ لی ہوتی ۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے

(باقی آئندہ)